بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اکابر علماء دیوبند کی علمی دیانت اور فقہی توسع

اکابر علماء دیوبند کی خصوصیات اور امتیازات میں جہاں دین کے تمام شعبوں میں ان کی خدمات کی جامعیت ہے کہ انھوں نے وقت کی ضروریات اور امت کے معروضی مسائل کو سامنے رکھ کر دین کے ہر شعبہ میں محنت کی ہے، وہاں علمی دیانت اور فقہی توسع بھی ان کے امتیازات کا اہم حصہ ہے۔ انھوں نے جس موقف کو علمی طور پر درست سمجھا ہے، کسی گروہی عصبیت میں پڑے بغیر اس کی حمایت کی ہے اور مسلمانوں کی اجتماعی ضروریات کے حوالے سے جہاں بھی فقہی احکام میں توسع اختیار کرنے کی ضرورت پیش آئی ہے، انھوں نے اس سے گریز نہیں کیا۔

علماء دیوبند کو بحمد اللہ تعالیٰ اہل سنت اور حنفیت کی علمی اور شعوری ترجمانی کا شرف حاصل ہے جس کا اعتراف عالمی سطح پر کیا جاتا ہے اور ان کے علمی تعارف کی حیثیت رکھتا ہے۔ اکابر علماء دیوبند کو ایک طرف فقہ کی اہمیت وضرورت سے انکار کی صورت حال کا سامنا تھا اور دوسری طرف ان کا واسطہ اس فقہی جمود سے تھا جس میں جزئیات وفروعات کو بھی کفر واسلام کا مدار سمجھ لیا جاتا تھا۔ علماء دیوبند نے ان دونوں کے درمیان اعتدال وتوازن کا راستہ اختیار کیا اور اہل السنۃ اور احناف کے تاریخی علمی تسلسل کے ساتھ اپنا رشتہ قائم رکھا۔

اس بات پر چند واقعاتی شہادتیں قارئین کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں جس سے اکابر علماء دیوبند کے اعتدال، توازن، توسع اور علمی دیانت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

امام الطائفہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز اور مولانا احمد رضا خانؒ اپنے دور کی دو بڑی شخصیات ہیں جن کی طرف دیوبندیت اور بریلویت کی علمی روایت منسوب ہے اور عقائد واحکام دونوں میں ان دو شخصیات کی تعبیرات وتشریحات پر ان دو اہم مسلکی گروہوں کے علمی تشخص کا مدار ہے۔ ان کے دور میں ایک مسئلہ پیش آیا کہ ایک سید لڑکی نے جو عاقلہ بالغہ تھی، ایک ایسے شخص سے نکاح کر لیا جس نے خود کو سید ظاہر کیا اور حلف اٹھا کر اس کا یقین دلایا، مگر نکاح کے بعد ظاہر ہو گیا کہ وہ سید نہیں ہے۔ اس پر لڑکی کے اولیا کو اعتراض ہوا کہ یہ بات ان کے لیے معاشرے میں باعث عار ہے، اس لیے وہ اس نکاح کو قبول نہیں کرتے۔ سوال یہ ہوا کہ لڑکے کی طرف سے دھوکہ دینے کے بعد اولیا کے اعتراض کی صورت میں اس نکاح کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور اگر نکاح فسخ کیا جائے تو اس کی عملی صورت کیا ہوگی؟

اس سوال کے جواب میں مفتی محمد عبد الرحمٰن برسانی صاحب نے لکھا کہ:

''صورت مذکورہ میں ہندہ کو اور اولیا کو اختیار فسخ کا ہے۔ اس زمانہ میں اگرچہ قاضی نہیں ہے، جب بھی شہر

کے مفتی سے حکم لے کر فسخ کر سکتا ہے کہ قائم مقام قاضی کا مفتی ہے۔''

جبکہ مولانا احمد رضا خانؒ نے اس کا جواب یہ دیا کہ:

''یہاں جبکہ وہ کفو نہیں اور ولی کو دھوکہ دیا گیا، دونوں امر سے کچھ متحقق نہیں ہوا۔ نکاح باطل محض رہا۔ بعد ظہور حال زید کی قسم اور تحریر سب مہمل ہے۔''

مگر یہ استفتاء اور اس کے جوابات حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی خدمت میں پیش کیے گئے تو انھوں نے یہ جواب تحریر فرمایا کہ:

''صورت مندرجہ میں اولیا کو حق فسخ نکاح کا ہے اور وہ کسی حاکم یا قاضی مسلمان سے رجوع کریں کہ وہ فسخ کرے۔ مفتی کو حنفیہ کے نزدیک بغیر تحکیم طرفین اختیار فسخ نہیں ہے۔''

اس پر حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اور حضرت مولانا محمد منفعت علیؒ کے بھی دستخط ہیں۔ یہ سب فتاویٰ جب دار العلوم دیوبند کے اس وقت کے صدر مفتی حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندیؒ کے سامنے رکھے گئے تو انھوں نے اس پر تحریر فرمایا کہ: ''جواب مجیب اول صحیح ہے۔ اولیا کو اختیار فسخ نکاح ہے۔''

یہ علمی دیانت کی بات ہے کہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندیؒ کو خود اپنے مشائخ اور اساتذہ کی رائے پر اطمینان نہیں ہوا تو انھوں نے دوسرے فریق کے موقف کی حمایت کر دی اور مزید دیانت کی بات یہ ہے کہ جب فتاویٰ رشیدیہ مرتب کیا گیا تو اس میں یہ سارے جوابات من وعن شامل کر دیے گئے اور اب بھی یہ سوال وجواب ''فتاویٰ رشیدیہ'' کا حصہ ہیں۔

میں نے جب یہ فتویٰ پڑھا تو میرے ذہن میں حضرت امام بخاریؒ کے ایک واقعہ کی یاد تازہ ہوگئی جو کسی زمانے میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی قدس اللہ سرہ العزیز کی کتاب ''قواعد علوم الحدیث'' کے حاشیہ میں حضرت الاستاذ عبد الفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قلم سے نظر سے گزرا تھا۔ اس کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے معتزلہ کے مقابلے میں اہل سنت کی ترجمانی کرتے ہوئے ''القرآن کلام اللہ غیر مخلوق'' کے عقیدہ پر سختیاں برداشت کی تھیں اور قید اور کوڑوں کی سزائیں جھیلی تھیں، مگر ان کے بعد بعض حنابلہ نے اس عقیدہ کی تعبیر وتشریح میں غلو اختیار کرتے ہوئے یہ کہنا شروع کر دیا کہ قرآن کریم کے جو الفاظ ہماری زبانوں پر تلاوت میں آتے ہیں، یہ بھی مخلوق نہیں ہیں تو حضرت امام بخاریؒ نے اس سے اختلاف کیا اور فرمایا کہ ''لفظی بالقرآن مخلوق''۔ اس پر حضرت امام بخاریؒ کے استاذ محترم امام محمد بن یحییٰ نیساپوریؒ نے امام بخاریؒ کے گمراہ ہونے کا فتویٰ دے دیا اور فرمایا کہ:

''من زعم لفظی بالقرآن مخلوق فهو مبتدع ولا يجالس ولا يكلم ومن ذهب بعد هذا الى محمد بن اسماعيل البخاری فاتهموه فانه لايحضر مجلسه الا من كان على مذهبه''

''جو شخص یہ کہتا ہے کہ ''لفظی بالقرآن مخلوق'' وہ بدعتی ہے۔ اس کی مجلس میں نہ بیٹھا جائے اور اس سے کلام نہ کیا جائے اور جو شخص اس کے بعد محمد بن اسماعیل بخاریؒ کی مجلس میں جائے، اسے متہم سمجھا جائے، کیونکہ اس کی مجلس میں وہی جاتا ہے جو اس کے مذہب پر ہوتا ہے۔''

حضرت امام بخاریؒ نے بھی اپنے استاذ حضرت امام محمد بن یحییٰ ذہلیؒ کے شہر میں اپنا حلقہ درس قائم کیا تھا، مگر جب امام ذہلیؒ نے یہ فتویٰ صادر کر دیا: "لا یساکننی محمد بن اسماعیل فی البلد" کہ محمد بن اسماعیل اس شہر میں میرے ساتھ نہ رہے تو امام بخاریؒ کو نیشاپور چھوڑنا پڑا اور وہ اپنے وطن بخارا چلے گئے جہاں کے گورنر خالد کے ساتھ ان کا اختلاف ہو گیا اور وہ وہاں سے بھی نکل گئے اور مسافرت کی حالت میں ''خرتنگ'' کے مقام پر یہ دعا کرنے کے بعد وفات پا گئے کہ "اللھم ضاقت علی الارض بما رحبت فاقبضنی الیك"، یا اللہ، یہ زمین اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود مجھ پر تنگ پڑ گئی ہے، اس لیے اب مجھے اپنے پاس بلا لے۔'' مجھے علماء کرام کے ایک وفد کے ساتھ خرتنگ جانے اور امام بخاریؒ کی قبر پر فاتحہ خوانی کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

اس واقعہ کے حوالے سے عام طور پر میں دو باتیں عرض کیا کرتا ہوں۔ ایک یہ کہ اہل سنت کے ہاں عقائد میں بھی تعبیرات وتشریحات کے تنوع اور توسع کی یہ کیفیت ہے کہ امام ذہلی اور ان کے متبعین الفاظ قرآن کے مخلوق ہونے کو "القرآن کلام اللہ غیر مخلوق" کے عقیدے کے خلاف اور بدعت قرار دے ہیں، جبکہ امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ کو "لفظی بالقرآن مخلوق" کہنے پر نیشاپور سے جلاوطن ہونا پڑا ہے، مگر اس کے باوجود دونوں طبقوں اور ان کے نمائندہ بزرگوں کو اہل سنت کے مسلمہ اماموں کا درجہ حاصل ہے اور امت دونوں کے ساتھ نسبت پر فخر کرتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ الاستاذ ابو غدہؒ نے اس کے ساتھ یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ امام بخاری نے اپنے استاذ محترم امام ذہلیؒ کے اس سخت رویے اور ان کی طرف سے گمراہی کے فتوے اور جلاوطنی کے حکم کے باوجود ان سے روایت ترک نہیں کی اور بخاری شریف میں ان سے تیس کے لگ بھگ روایات درج کی ہیں۔ یہ علمی دیانت ہے جو ہمارے پرانے اسلاف کی روایات کا حصہ ہے اور اکابر علماء دیوبند نے اس کا تسلسل قائم رکھا ہے۔

اس سلسلے میں دوسرا واقعہ یہ ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ میں نے مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ میں حضرت مولانا مفتی عبد الواحد قدس اللہ سرہ العزیز کے معاون اور نائب کے طور پر ذمہ داریاں ۱۹۷۰ء میں سنبھالی تھیں، لیکن اس سے قبل بھی ان کی غیر موجودگی میں جامع مسجد میں جمعہ پڑھانے کا متعدد بار اعزاز حاصل ہو چکا تھا۔ یہاں میں نے اپنے عمومی ماحول سے ایک مختلف بات یہ دیکھی کہ جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر خطب کے سامنے لاؤڈ اسپیکر پر نہیں دی جاتی، بلکہ مسجد کی حدود سے باہر امام کے سامنے حوض پر کھڑے ہو کر بغیر لاؤڈ اسپیکر کے دی جاتی ہے، جبکہ گکھڑ میں حضرت والد محترمؒ اور مدرسہ نصرۃ العلوم میں حضرت صوفی صاحبؒ کا معمول یہ تھا کہ موذن جمعہ کی اذان ثانی لاؤڈ اسپیکر پر امام صاحب کے سامنے کھڑے ہو کر دیتا تھا۔

مجھے اس پر الجھن ہوئی تو میں نے حضرت مولانا مفتی عبد الواحدؒ سے دریافت کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک جمعہ کی اذان ثانی مسجد کی حدود سے باہر دینا بہتر ہے اور ہم اسی پر عمل کرتے ہیں۔ مسجد کے صحن کے آخر میں جو حوض ہے، وہ مسجد کا حصہ نہیں ہے، اس لیے ہم اعتکاف کرنے والوں کو وہاں تک جانے سے منع کرتے ہیں اور ہمارا موذن جمعہ کی اذان ثانی حوض پر امام کے سامنے کھڑے ہو کر دیتا ہے۔ میں نے اس کے بعد مزید اس مسئلہ کی کرید کی ضرورت محسوس نہیں کی، اس لیے کہ اس قسم کے جزوی اور فروعی مسائل میں میرا ذوق اور معمول یہ ہے کہ جہاں کسی ذمہ

دار بزرگ کے فتویٰ پر عمل ہو رہا ہو، میں وہاں اسی پر عمل کرتا ہوں اور اسے ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔

حضرت مولانا مفتی عبد الواحدؒ ہمارے اکابر میں سے تھے، والد محترم حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ کے استاذ تھے اور میں نے کئی بار حضرت والد محترمؒ کو بعض مسائل میں ان سے رجوع کرتے دیکھ رکھا تھا، اس لیے میں بھی کم وبیش بیالیس سال سے ان کے فتویٰ پر عمل کرتا آ رہا ہوں اور اب بھی اس پر کسی نظر ثانی کی ضرورت محسوس نہیں کرتا، لیکن اس کا پس منظر کافی عرصہ کے بعد اس وقت میرے علم میں آیا جب حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود مدظلہ العالی کی کتاب ''مطالعہ بریلویت'' سامنے آئی جس میں انھوں نے اس مسئلے کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ یہ فتویٰ دراصل مولانا احمد رضا خان کا تھا کہ جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر نہیں بلکہ مسجد کی حدود سے باہر ہونی چاہیے۔ اس مسئلہ پر مولانا احمد رضا خان بریلویؒ کا اپنے بہت سے معاصر علماء کرام سے تحریری مباحثہ بھی ہوتا رہا اور ان کے معاصر علماء کرام نے، جن میں دیوبندی اور بریلوی دونوں شامل ہیں، ان کے اس فتویٰ سے اتفاق نہیں کیا تھا، مگر ہمارے ہاں مرکزی جامع گوجرانوالہ میں جمعہ کی اذان ثانی مسجد کی حدود سے باہر حوض پر دیے جانے کا معمول چلا آ رہا ہے۔

تیسری بات اس حوالے سے یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ مزارعت یعنی بٹائی کا مسئلہ ائمہ احناف میں مختلف فیہ رہا ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ اسے جائز نہیں سمجھتے اور صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ مفتیٰ بہ قول ہر دور میں صاحبین کے قول کو قرار دیا جاتا رہا ہے اور آج بھی احناف کے ہاں اسی فتویٰ پر عمل جاری ہے، لیکن پاکستان میں جب بڑی زمین داریوں اور جاگیرداریوں کو عوامی مفادات اور ضروریات کے لیے کنٹرول کرنے کا مسئلہ چلا تو ۷۰ء میں علماء دیوبند کی سب سے بڑی جماعت جمعیۃ علماء اسلام پاکستان نے یہ موقف اختیار کیا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول اگرچہ مفتیٰ بہ نہیں ہے، لیکن امت کی اجتماعی ضرورت اور مفاد کے لیے اس مرجوح فتویٰ پر عمل کی ضرورت پڑ جائے تو ایسا بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس موقف کا تذکرہ جمعیۃ علماء اسلام کے ۱۹۷۰ء کے انتخابی منشور میں موجود ہے اور حضرت مولانا مفتی محمودؒ نے مختلف مواقع پر اس کی وضاحت فرمائی ہے۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحب کے سوانح نگار مولانا ڈاکٹر عبد الحکیم اکبری کی تصنیف ''مولانا مفتی محمود کی علمی، دینی وسیاسی خدمات'' (صفحہ ۵۰۰) سے اس سلسلے میں ایک اقتباس یہاں نقل کیا جا رہا ہے۔

حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ نے کراچی میں علما کی مجلس کا ذکر کرتے ہوئے اس میں بیان کردہ حضرت مولانا مفتی محمودؒ کے موقف کا یوں تذکرہ فرمایا ہے:

> ''مزارعت کا مسئلہ زیر بحث آیا تو حضرت مفتی صاحبؒ نے بڑی فاضلانہ تقریر فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اس زمانہ میں مزارعت کی وجہ سے بڑے بڑے فتنے پیدا ہوئے ہیں۔ ہاریوں کو زمیندار غلام سمجھتے ہیں اور چونکہ مسئلہ اختلافی ہے، ائمہ کبار میں سے حضرت امام ابوحنیفہؒ اس کے خلاف ہیں، اس لیے ان کے قول پر فتویٰ دیتے ہوئے اگر مزارعت کی ممانعت کر دی جائے اور مالکان زمین سے کہا جائے کہ وہ ملازم رکھ کر کاشت کرائیں یا خود کاشت کریں تو کوئی حرج نہیں ہے۔''

یہ سب باتیں عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اکابر علماء دیوبند کا طرز عمل جزئیات وفروعات پر اڑے رہنے اور چند مخصوص فتاویٰ پر جمود اختیار کرنے کا نہیں رہا، بلکہ حالات وزمانہ کے تقاضوں اور امت کی معروضی ضروریات کو سامنے

رکھتے ہوئے پوری علمی دیانت، اعتدال اور فقہی توسع کے ساتھ امت کے لیے سہولتیں پیدا کرنے اور اصول کے دائرے میں رہتے ہوئے حالات کی ضروریات کو ایڈجسٹ کرنے کا رہا ہے اور آج بھی اکابر علماء دیوبند کی یہی روایت ہم سب کے لیے مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

مشترکہ دینی تحریکات اور حضرت امام اہل سنتؒ

تحریک ختم نبوت، تحریک تحفظ ناموس رسالت اور تحریک نفاذ شریعت کے لیے مشترکہ دینی تحریکات میں اہل تشیع کی شمولیت پر ہمارے بعض دوستوں کو اعتراض ہے۔ یہ اعتراض ان کا حق ہے اور اس کے لیے کسی بھی سطح پر کام کرنا بھی ان کا حق ہے۔ اسی طرح اعتراض کو قبول نہ کرنا ہمارا بھی حق ہے جس کے بارے میں ہم نے مختلف مواقع پر اپنے موقف کا تفصیل کے ساتھ اظہار کیا ہے اور ضرورت کے مطابق آئندہ بھی یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

اس سلسلے میں ہمارے والد گرامی امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ کا نام کثرت سے استعمال کیا جا رہا ہے جو محل نظر ہے اور اس حوالے سے حضرت امام اہل سنتؒ کی زندگی کے چند اہم مراحل کی طرف توجہ دلانا مناسب معلوم ہوتا ہے:

o قیام پاکستان سے قبل حضرت امام اہل سنتؒ مجلس احرار اسلام کے باقاعدہ کارکن رہے ہیں اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ اس دور میں آل انڈیا مجلس احرار اسلام کے سیکرٹری جنرل معروف شیعہ عالم دین مولانا مظہر علی اظہر تھے۔

o قیام پاکستان کے بعد ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں حضرت امام اہل سنتؒ شریک رہے ہیں اور متعدد جلوسوں کی قیادت کی ہے بلکہ از خود گرفتاری دے کر کم وبیش نو ماہ جیل میں رہے ہیں۔ اس تحریک کی قیادت میں اہل تشیع شریک تھے۔

o ۱۹۵۱ء میں علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی صدارت میں تمام مکاتب فکر کے اکابر ۳۱ علماء کرام کے طے کردہ ۲۲ متفقہ دستوری نکات کی حضرت امام اہل سنت نے ہمیشہ حمایت کی ہے اور وہ ملک میں ان کے نفاذ کا مسلسل مطالبہ کرتے رہے ہیں۔ ان ۲۲ نکات کی ترتیب وتدوین میں بھی اکابر شیعہ علما شریک تھے۔

o ۱۹۷۷ء میں نظام مصطفیٰ کے نفاذ کی تحریک میں حضرت امام اہل سنت نے بھرپور کردار ادا کیا ہے، عوامی جلوسوں کی قیادت کرتے رہے ہیں اور ایک جلوس کی قیادت کر کے از خود گرفتاری پیش کی ہے جس کے نتیجے میں وہ اپنے فرزند مولانا عبدالحق خان بشیر کے ہمراہ ایک ماہ تک ڈسٹرکٹ جیل گوجرانوالہ میں قید رہے ہیں۔ اس تحریک کی قیادت میں بھی اہل تشیع شریک تھے۔

o ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت میں امام اہل سنتؒ نے حضرت السید مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی قیادت میں بھرپور کردار ادا کیا ہے اور اس تحریک کی مرکزی مجلس عمل میں اہل تشیع شریک تھے۔

o مشترکہ دینی وسیاسی تحریکات میں جمعیۃ علماء اسلام پاکستان کی شمولیت کے مسئلہ پر اختلاف کے باعث حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت مولانا عبداللطیف جہلمیؒ اور ان کے رفقا نے جمعیۃ سے الگ ہو کر جب تحریک خدام اہل سنت قائم کی تو حضرت امام اہل سنت نے اپنے ان بزرگ دوستوں کے تمام تر احترام اور ان کی دینی

خدمات کے بھرپور اعتراف کے باوجود ان کا ساتھ نہیں دیا اور اس کے بعد بھی جمعیۃ علماء اسلام کے پلیٹ فارم پر مشترکہ دینی تحریکات میں انھوں نے ہمیشہ حصہ لیا ہے۔

o حضرت امام اہل سنتؒ کی علالت کے دور میں جب متحدہ مجلس عمل تشکیل پائی تو انھوں نے عام انتخابات میں متحدہ مجلس عمل کی کھل کر حمایت کی اور اپنے ساتھیوں کو اس میں کام کرنے کی ہدایت کی، جبکہ متحدہ مجلس عمل کی قیادت میں اہل تشیع موجود تھے اور اپنے حلقہ سے حضرت امام اہل سنتؒ نے قومی اسمبلی کے لیے متحدہ مجلس عمل کے جس امیدوار جناب قدرت اللہ بٹ کی حمایت کی، ان کا تعلق جماعت اسلامی سے ہے بلکہ وہ اس وقت جماعت اسلامی ضلع گوجرانوالہ کے امیر تھے۔

متحدہ مجلس عمل کے قیام کی تائید اور حمایت اس حوالے سے بطور خاص قابل توجہ ہے کہ بعض حضرات یہ استدلال پیش کر رہے ہیں کہ حضرت امام اہل سنت نے ''ارشاد الشیعہ'' تصنیف کر کے دینی تحریکات میں اہل تشیع کی شمولیت کے حوالے سے اپنے سابقہ موقف سے رجوع کر لیا تھا، حالانکہ ارشاد الشیعہ کا سن تصنیف ۱۹۸۷ء ہے جبکہ متحدہ مجلس عمل کا قیام ان کی عمر کے آخری دور میں جنرل پرویز مشرف کے زمانے میں ہوا تھا۔

مذکورہ تفصیلات کی روشنی میں اپنے ان دوستوں سے میری گزارش ہے کہ وہ دینی تحریکات میں اہل تشیع کی شمولیت پر اپنے اعتراض کا حق ضرور استعمال کریں اور اس کے لیے جائز حدود میں مہم بھی چلائیں، لیکن مشترکہ دینی تحریکات کی حد تک اس سلسلے میں امام اہل سنتؒ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ کا نام استعمال نہ کریں، اس لیے کہ امام اہل سنتؒ خود زندگی بھر ایسی تحریکات کا حصہ رہے ہیں۔

چند بزرگ علما کا انتقال

گزشتہ دنوں چند محترم دوست اور بزرگ علمائے کرام انتقال کر گئے جن کی جدائی کا صدمہ ہمارے دینی و علمی حلقوں میں مسلسل محسوس کیا جا رہا ہے۔

o شیخ الحدیث حضرت مولانا قاضی عصمت اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا انتقال ملک کے علمی و دینی حلقوں کے لیے صدمہ و رنج کا باعث بنا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کے والد محترم حضرت مولانا قاضی نور محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ہمارے اکابر بزرگوں میں سے تھے جنھوں نے پون صدی قبل گوجرانوالہ میں توحید و سنت کے پرچار اور علماء دیوبند کے مسلک کے فروغ و تعارف میں کلیدی کردار ادا کیا۔ حضرت مولانا قاضی عصمت اللہ صاحبؒ نے ۸۰ برس سے زیادہ عمر پائی اور زندگی بھر دینی علوم کی تدریس و ترویج میں مصروف رہے۔ ۱۹۷۷ء میں انھوں نے قلعہ دیدار سنگھ کے حلقہ سے جمعیۃ علماء اسلام پاکستان کی طرف سے پاکستان قومی اتحاد کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کے الیکشن میں بھی حصہ لیا۔ وہ دینی تحریکات میں ہمیشہ سرگرم رہے اور ان کے ہزاروں تلامذہ ملک کے مختلف حصوں میں دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اللہ رب العزت انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں اور پس ماندگان اور سوگواروں کو صبر جمیل کی توفیق سے نوازیں۔ آمین یارب العالمین

o حضرت مولانا محمد الطافؒ جمعیۃ علماء اسلام کے بزرگ راہ نماؤں میں سے تھے جن کا گزشتہ دنوں حافظ آباد

میں انتقال ہوگیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کا تعلق وادی سکیسر کے گاؤں کوٹلی سے تھا۔ وہ جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کے فاضل تھے اور حضرت السید مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے شاگرد تھے۔ ۱۹۶۱ء میں حافظ آباد آئے، مرکزی جامع مسجد قدیم کی خطابت سنبھالی اور مدرسہ اشرفیہ قرآنیہ میں تدریسی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ وہ جید عالم دین، بے باک خطیب، تجربہ کار مدرس اور منجھے ہوئے سیاسی راہ نما تھے۔ انھوں نے حضرت درخواستی، حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی، حضرت مولانا مفتی محمود اور حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر کے ساتھ مسلسل جماعتی محنت کی اور اس کے بعد مولانا فضل الرحمٰن کے ساتھ پورے عزم واستقامت کے ساتھ وابستہ رہے۔ انتہائی نیک، خدا ترس اور حق گو بزرگ تھے۔ طویل علالت کے بعد ۸۰ برس کے لگ بھگ عمر میں انھوں نے وفات پائی۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائیں، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازیں اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دیں۔ آمین یارب العالمین

o مولانا سید عبد المالک شاہ میرے بہت پرانے دوست اور ساتھی تھے، جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں استاذ الحدیث تھے اور جمعیت علماء اسلام کے سرگرم راہ نماؤں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ ان کا تعلق مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود کے گاؤں سے تھا اور وہ مفتی صاحب کے معتمد کارکنوں میں سے تھے۔ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے تعلیم حاصل کی اور اسی دور میں جمعیت طلباء اسلام اور جمعیت علماء اسلام کی تحریکی سرگرمیوں کا حصہ بن گئے۔ حضرت والد محترم اور حضرت صوفی صاحب کے ساتھ گہری محبت وعقیدت رکھتے تھے۔ میرا ان کے ساتھ پہلا تعارف غالباً ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت کے دوران ہوا اور پھر یہ تحریکی رفاقت زندگی بھر جاری رہی۔ جمعیت علماء اسلام میں ہم نے ایک عرصے تک اکٹھے کام کیا، حتیٰ کہ جب حضرت مفتی صاحب کی وفات کے بعد جمعیت علماء اسلام دو حصوں میں بٹی تو ہم دونوں ایک دوسرے کے مخالف کیمپوں میں تھے، مگر باہمی روابط، دوستی اور تعاون میں اس دور میں بھی کوئی فرق نہیں آیا۔ وہ ان دنوں مدرسہ انوار العلوم میں مدرس تھے اور میں مرکزی جامع مسجد کا خطیب ہوں۔ وہ اپنے کیمپ کے لیے متحرک تھے اور میں اپنے کیمپ کے لیے متحرک تھا۔ وہ ایم آر ڈی میں تھے اور میں اس کا شدید مخالف تھا، لیکن اس باہمی محاذ آرائی کے دور میں بھی متعدد بار ایسا ہوا کہ پولیس ان کی تلاش میں ہوتی اور وہ میرے دفتر کے عقبی کمرے میں پناہ گزین ہوتے تھے۔

۱۹۷۵ء میں مسجد نور گوجرانوالہ کو محکمہ اوقاف کی تحویل میں دیے جانے کے فیصلے کے خلاف عوامی تحریک چلانے کا فیصلہ کیا گیا تو اس تحریک کو منظم کرنے اور مربوط طور پر چلانے میں مولانا سید عبد المالک شاہ، ڈاکٹر غلام محمد، نوید انور نوید ایڈووکیٹ مرحوم، صوفی رستم علی قادر اور علامہ محمد احمد لدھیانوی سب سے زیادہ متحرک رہے۔ انھی کی شبانہ روز محنت کے نتیجے میں تحریک کامیاب ہوئی اور حکومت کو مسجد نور اور مدرسہ نصرۃ العلوم کو تحویل میں لینے کا نوٹیفکیشن واپس لینا پڑا۔ اس لحاظ سے شاہ صاحب مدرسہ نصرۃ العلوم کے محسن بھی تھے کہ ان کی شبانہ روز محنت اس مسجد ومدرسے کی آزادی کو برقرار رکھنے کا ذریعہ بنی۔

وہ گزشتہ کم وبیش پندرہ سال سے جامعہ نصرۃ العلوم کے استاذ تھے اور دورۂ حدیث میں عام طور پر مسلم شریف ان کے زیر درس رہتی تھی، جبکہ علوم وفنون کی دیگر کتابیں بھی انہوں نے مسلسل پڑھائیں اور ایک محنتی اور کامیاب مدرس کے طور پر شہرت حاصل کی۔ جمعیت علماء اسلام اور مولانا فضل الرحمٰن کے ساتھ ان کا تعلق اور وفاداری قابل ذکر، بلکہ

قابل رشک تھی۔ مشکل ترین حالات میں بھی انہوں نے یہ ساتھ نبھایا اور خوب نبھایا۔ وہ ایک عرصے سے بیمار تھے، شوگر کی وجہ سے ان کے ایک پاؤں کا انگوٹھا چند سال قبل کاٹنا پڑا تھا، مگر اس موذی مرض نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ گزشتہ دنوں ڈاکٹروں نے ان کی ایک ٹانگ کاٹ دی اور اس کا علاج چل رہا تھا کہ معدے نے کام چھوڑ دیا۔ حوصلہ مند آدمی تھے، بیماری اور معذوری کے باوجود جماعتی اور مسلکی کاموں میں ہمیشہ متحرک رہے۔

بیماری کے ایام میں انہوں نے خواہش کا اظہار کیا کہ ان کا جنازہ مولانا فضل الرحمٰن پڑھائیں اور کوشش کی جائے کہ انہیں قبر کے لیے گوجرانوالہ کے بڑے قبرستان میں حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی کے قریب جگہ مل جائے۔ مولانا فضل الرحمٰن تو انتہائی کوشش کے باوجود جنازے تک نہ پہنچ سکے اور نماز جنازہ حضرت حافظ ناصر الدین خاکوانی مدظلہ نے جامعہ نصرۃ العلوم میں رات کے دس بجے پڑھائی، البتہ قبر کی جگہ انہیں حسب خواہش حضرت صوفی صاحب کے قدموں میں اور اپنے پرانے ساتھی مولانا اللہ یار خان کے پہلو میں مل گئی۔ جنازے میں مولانا عبد الغفور حیدری شریک ہوئے، جبکہ مولانا فضل الرحمٰن اگلے روز صبح تعزیت کے لیے تشریف لائے، اللہ تعالیٰ حضرت شاہ صاحب کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائیں اور ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائیں، آمین یارب العالمین۔

o مولانا میاں عبد الرحمٰن کا تعلق بالاکوٹ کے علاقے سے تھا۔ ان کے والد محترم حضرت مولانا محمد ابراہیم نے لاہور کے معروف بازار انارکلی میں ڈیرہ لگایا اور عمر بھر وہاں حق کی آواز بلند کرتے رہے۔ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری اور حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبد اللہ درخواستی سے خصوصی تعلق رکھتے تھے اور جمعیت علماء اسلام کے سرگرم راہ نماؤں میں سے تھے۔ ان کے مزاج میں حق گوئی دبدبہ ہر شخص محسوس کرتا تھا اور ان کے ہاتھ میں لاٹھی ہوتی تھی، جس کی وجہ سے ان کا لقب بھی مولانا محمد ابراہیم ڈنڈے والے پڑ گیا تھا۔ انارکلی بازار کی مسجد کے دروازے پر ایک چھوٹی سی دکان میں، جسے دکان کہنا بھی شاید مبالغہ ہو، شہد کا ہلکا پھلکا کاروبار کرتے تھے اور عزت و آبرو کے ساتھ حق گوئی کا پرچم بلند رکھتے تھے۔ مولانا میاں عبد الرحمٰن ان کے فرزند اور جانشین تھے اور انہی کے اوصاف اور روایات کے امین تھے۔ جامعہ مدینہ کریم پارک سے تعلیم حاصل کی، حضرت مولانا سید حامد میاں اور حضرت مولانا عبید اللہ انور سے ارادت کا گہرا تعلق تھا اور جمعیت علماء اسلام کی دینی و سیاسی جدوجہد ان کی ہمیشہ جولان گاہ رہی۔ مجھے باپ بیٹا دونوں کی شفقت و محبت ہمیشہ حاصل رہی اور خصوصی دعاؤں کے ساتھ جماعتی کاموں میں سرپرستی اور معاونت سے بھی بہرہ ور فرماتے تھے۔ لاہور کے دینی اجتماعات میں اکثر و بیشتر ان سے ملاقات ہوتی تھی اور وہ اپنے مسلک کے تمام حلقوں کو یکساں طور پر نوازتے تھے۔ انہیں لاہور کے دینی حلقوں میں دینی تحریکات کے سرپرست کے طور پر پہچانا جاتا تھا اور وہ ہر دینی تحریک اور مسلکی جدوجہد میں پیش پیش نظر آتے تھے۔

گزشتہ جمعرات کو ایک سفر کے دوران یہ اطلاع ملی مولانا میاں عبد الرحمٰن مانسہرہ میں ایک دینی اجتماع میں شرکت کے بعد واپس جاتے ہوئے ٹریفک حادثہ کا شکار ہو کر شہید ہو گئے ہیں۔ ایک مشفق دوست اور مخلص جماعتی و مسلکی راہ نما کی اچانک اور حادثاتی وفات پر بے حد صدمہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کریں اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائیں، آمین، یارب العالمین۔